وفا راشدی ایم - اے

شاہ لطیفؒ کا کلام اُخوّت و محبّت کا پیغام

سرزمین سندھ صدیوں سے علوم و فنون، تاریخ و ثقافت، تہذیب و تمدن کا مرکز او
تصوف و روحانیت، حقائق و معارف کا گہوارہ رہا ہے۔ اس حقیقت کی زندہ شہادتیں آج
بھی جابجا تاریخی عمارتوں، قدیم مسجدوں، مجاہدانِ اسلام کے مزاروں، بزرگانِ دین کی درگا
فدایان توحید کی خانقاہوں اور بہت سے قدیم آثاروں سے ملتی ہیں۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ ان صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین میں
سے تھے جن کی ذات بابرکات کی بدولت ریگزار سندھ میں تجلیات الٰہی اور انوار محمدی کی
ضیا پاشی ہوتی رہی۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی کرنیں پھوٹیں اور جن کے رشد و ہدایات
کشف و کرامات اور علوم و فیوض کا سرچشمہ آج تک جاری و ساری ہے۔

حضرت شاہ لطیف ۱۶۸۹ء (۱۱۰۲ھ) میں اس جہان رنگ و بوسے وابستہ ہوئے
اور ۱۷۵۲ء (۱۱۶۵ھ) میں اپنے معبود و مسجودِ حقیقی سے جا ملے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر دہلی کے پر متمکن تھا اور سندھ
کی عنانِ حکومت کلہوڑہ خاندان کے حاکم میاں نور محمد کے ہاتھوں میں تھی۔ تاجدارِ دہلی او

باہ سندھ دونوں پروانۂ توحید، دیوانۂ رسالت اور اسلام کے عظیم معلم و مبلغ تھے۔
کے عہد میں کفر و الحاد، شرک و فساد کے بڑے سے بڑے بت توڑ دیئے گئے۔ جب شاہ
ؒ نے آغوشِ کائنات میں آنکھیں کھولیں، فضائے سندھ تاج الاولیاء حضرت شاہ
ل شہباز قلندرؒ جیسی عظیم المرتبت ہستی کے روحانی فیضان اور علم و عرفان سے معمور و مسحور
ی۔ مینارۂ سیوھن سے خالق و مخلوق، عابد و معبود، ساجد و مسجود، مکان و لامکان اور بندگی
ندگی کے اسرار و رموز سے بھرپور روشنی روحوں کی گہرائیوں تک پہنچ چکی تھی ؎

من بندۂ خدایم ہم شاہ و ہم گدایم
ہم وصل ہم جدایم مستِ الست ہستم
من مرغِ لامکانم جز لامکاں ندانم
بر تختِ قدسیانم مستِ الست ہستم

لعل شہباز قلندرؒ

ایسے مبارک و متبرک زمانے میں حضرت شاہ لطیفؒ کا وُرودِ مسعود یقیناً نیک فال تھا۔ ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آوازیں گونجیں۔ انھوں نے حضرت لعل قلندر کے گہوارۂ پیام و تعلیم میں اپنی فکر و دانش کی تہذیب و تدوین کی اور ارفع و اعلیٰ زندگی کو اپنایا۔ رُوح کی پاکیزگی، دل کی صفائی اور قلب کی وسعت و بلندی نے شاہ لطیف کی تعلیمات کو اجاگر و پائیدار کیا۔ شاہ صاحب کے پیغامات "نغماتِ لطیف" کے سانچے میں ڈھل کر غیر فانی و لازوال ہوگئے۔

حضرت شاہ عبداللطیفؒ صوفی منش بھی تھے اور صوفی شاعر بھی۔ ان کا عہد دینی، علمی، ادبی، اور ثقافتی اعتبار سے ایک عہد زریں تھا۔ ان کے دور میں حاکمانِ سندھ نور محمد کلہوڑہ اور سرفراز خان کلہوڑہ نے سندھی زبان و ادب کی سرپرستی جس فراخ دلی اور وسیع القلبی سے کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

شاہ عنایت رضوی، میاں عیسیٰ ہالائی، خواجہ محمد زمان سنواری، میاں مخدوم ابوالحسن (سندھی زبان میں پہلی کتاب موسوم بہ "مقدمۃ الصلوٰۃ" کے مصنف) مخدوم ضیاء الدین ٹھٹوی،

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، مخدوم عبدالرحیم گروہڑی، مخدوم عبدالرؤف بھٹی ہالہ کنڈی، پیر محمد بقا، مخدوم ضیاء الدین، مخدوم معین اور سرفراز خاں کلہوڑہ جیسے علماء و فضلاء، شعرا وادبا اور مصنفین و مفکرین شاہ لطیفؒ کے ہمعصر تھے۔ یہ اہل علم و فضل اور ارباب کمال سندھ کی خاک سے اٹھے اور یہیں پیوندِ خاک ہوئے۔ اس زمانے میں فارسی زبان کا رواج عام تھا لیکن انھیں بزرگوں کی علمی و ادبی کوششوں اور عدیم المثال کاوشوں کی بدولت سندھی زبان کا چلن عام ہوا۔ سندھی زبان جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہوئی۔ سندھی ادب میں نئے رجحان کا آغاز ہوا۔ حمد، نعت، مناجات، وائی (کافی)، دوہے جیسی اصناف سندھی شاعری میں شامل ہوئیں۔

جن پرستارانِ علم وادب کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ ایسے شعراء کی تعداد بھی کافی تھی جو کم پڑھے لکھے تھے مگر عوامی ذہن کے مالک اور عوامی نفسیات وکیفیات سے واقف تھے۔ ان کے نغمے دیہات کے سیدھے سادھے معصوم لوگوں کے لیے فضا میں بکھر جاتے جو انھیں کے دلوں کے ترجمان ہوتے۔

یہ نغمے یہ ترانے عام آدمیوں کے دُکھ سُکھ، رنج وراحت، شادی بیاہ، ملاپ اور جُدائی جیسے جذبات اور احساسات کے آئینہ دار ہوتے۔

ان لوک گیتوں کے تخلیق کاروں میں لطف اللہ، قطب، طالب، حبیب، جونہ سید، شریف، شاہ حسین، کبیر، منگیل، لکھمیر، محمود، قاسم، بلاول، کھٹی، بڈھو ہلال کے نام ناقابلِ فراموش ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بعض مرتبین نے غلطی سے ان شعراء کے دوہے اور کافیاں شاہ کے کلام میں شامل کردی تھیں۔ لیکن بعد کے محققین نے ایسے اشعار کو شاہ کے رسالے سے خارج کردیا اور اب تک کلام لطیف پر اتنی تحقیق ہوچکی ہے کہ شاہ کے رسالے میں کسی دوسرے شاعر کی کوئی چیز موجود نہیں۔ ان تمام شعراء میں بہرحال شاہ صاحبؒ کو اولیت کا درجہ حاصل تھا۔

شاہ صاحبؒ کے دینی رجحانات اور اسلامی خیالات نے شعر وادب میں ایک نیا

ا۔ سندھی شاعری میں حمد و نعت، مناجات کے علاوہ مرثیہ، کافی (جس کا دوسرا نام وائی
ے) دوہے، گیت اور بعض لطیف اور دلکش سروں کا اضافہ کیا۔

شاہ صاحبؒ کا سارا کلام "شاہ جو رسالو" کی صورت میں محفوظ و موجود ہے جس کے
مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب نہ صرف تصوف و معرفت کے میدان میں بہت
بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ بلکہ شاعری کی دنیا میں بھی غیر معمولی عظمت کے حامل تھے۔

شاہ صاحبؒ کا کلام اخوت و محبّت کا پیغام ہے۔ ان کے ابتدائی کلام میں عشقِ مجازی
بھرپور تأثر ملتا ہے۔ لیکن دُوسرے اور آخری دَور کے کلام میں عشقِ حقیقی کے جذبات
جس والہانہ انداز اور وجدانی کیفیتوں سے پیش کیا گیا ہے وہ شاہ صاحبؒ ہی کا
حصّہ ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ عربی و فارسی زبان سے بخوبی واقف تھے جس کا
ثبوت اسی واقعہ سے ملتا ہے کہ میاں نور محمد کلہوڑی حاکم سندھ نے شاہ صاحبؒ کی خدمت
میں مثنوی مولانا رومؒ کا ایک قلمی نسخہ پیش کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ اس نسخے کو ہمہ وقت
اپنے ساتھ رکھتے اور اشعار رومؒ جھوم جھوم کر پڑھتے۔ میاں نور محمد خود بڑے علم دوست
اور صاحب فضل و کمال حکمران تھے۔ شاہ صاحب سے بے حد عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔

شاہ صاحب مثنوی مولانا روم سے متاثر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے
شعری نقوش پر مولانا روم اور حضرت شہباز قلندر کی ایمان افروز تعلیمات کا رنگ
نمایاں ہے۔

شاہ صاحب نے فلسفۂ تصوف کو محض ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ جزو زندگی
بنا کر اپنایا تھا۔ یہ اجزائے ترکیبی کل میں سمو کر تخلیق کا روپ دھار گئے اور تخلیق کائنات
کا راز بتلا گئے۔ تلاش حق اور راہ حق کے فلسفے کو شاہ صاحب نے اپنے رسالوں میں
بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

شاہ صاحب کا کلام سراپا قرآن و حدیث کی تفسیر ہے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی
کے بارے میں فرمایا تھا ؎

مثنویٔ مولویٔ معنوی
ہست قرآں در زبان پہلوی

اور شاہ لطیف کا ارشاد ہے ؎

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو۔
یہ آیاتِ ربّانی ہیں۔
یہ آیات پڑھنے والوں کو محبوبِ حقیقی کی طرف
لے جاتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ کا مشاہدہ اتنا تیز اور احساس اتنا گہرا تھا کہ انھوں نے اپنے آس پاس جو کچھ دیکھا، جیسا کچھ محسوس کیا اسے شعر کے قالب میں ڈھال دیا۔ اللہ کی محبت، رسول کی محبت، انسان کی محبت اور ان محبتوں کے تعلق سے کائنات و حیات سے محبت کے واضح تصورات اور تصورات کے خدوخال شاہ صاحبؒ کے افکارِ جمیل میں حُسن و لطافت کے آئینے میں صاف و شفاف نظر آتے ہیں ؎

اول الله عليم اعلیٰ عالم جو ڏڻي
بس وہی اللہ ہے قائم قدیم

قادر پنھنجي قدرت سين قائم آھ قديم
مالک الملک اول و اعلیٰ علیم

والي واحد وحدهٔ رازق ربّ رحيم
والی، رازق، واحد، رب، رحیم

سو ساراهہ سچو ڏڻي چئي حمد حکيم
اس کو سچا جان کر حمد حکیم

کري پاڻ کريو جوڙون جوڙ جھان جي
صانع مطلق ہے وہ قادر کریم
اس کی صفت سے ہے عالم مستقیم

وحدهٗ لاشريڪ له جڏهن چيو جن
تن مڃيو محمد ڪارڻي پيچاسان هين
تڏهن منجها تن اوتڙ ڪونه اوليو

صفت عالم ہوئی جب استوار
دے دیا احمدؐ کو کُلی اختیار
جب انا لولاک حق نے کہہ دیا

وحدهٗ لاشريڪ له جن اتوسين ايمان
تن مڃيو محمد ڪارڻي قلب ساڻ لسان
او فائق سين فرمان اوتڙ ڪنهن نه اوليا

ساتھ اس کے اَنتَ مَحبُوبِی کہا
کہہ دے اے سید بہر مصطفٰے
دونوں عالم کو مزیّن کردیا

وحده جي وڌيا الا الله سين اوري
هنيون حقيقت گڏئو طريقت تورين
معرفت جي ماڳ سين ڏيساور ڏورين
سُکه نه ستاگڏ هو ويهي نه وڏين
ڪلنئون ڪورين عاشق عبداللطيف چئي

معرفت کے لب پہ ہے مہر سکوت
اک نئے عالم کا دیتے ہیں ثبوت
مستعد ہیں چین سے سوتے نہیں
وقت کو آرام میں کھوتے نہیں
اے لطیف اس ڈھب کے جو عشاق ہیں
ان کے سر شانوں سے اکثر کٹ گئے

کائنات کی بنیاد انسان کی محبت پر رکھی گئی ہے، محبت کے بغیر کائنات کا رنگ پھیکا اور لمحاتِ حیات بے کیف ہیں۔ یہی شاہ صاحب کی تعلیم ہے یہی شاہ صاحب کا پیغام ہے۔ عشق مجازی ہو یا حقیقی، عشق کے بغیر زندگی کوئی زندگی نہیں۔ کائنات کا وجود اور حیات کی تشکیل عشق کے سربستہ راز میں مضمر ہے۔ محبوب کی طلب اور عشق کی تڑپ وہ کیفیت ہے جو حیات کو شیفتگی و شگفتگی بخشتی ہے۔ فلسفہ عشق کو مولانا رومؒ، حافظ شیرازی، سعدی شیرازی اور علامہ اقبال نے جس وضاحت و صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے، اس کا مجموعی عکس افکار لطیف کی شکل میں آنکھوں کو مسرور اور روحوں کو مسحور کرتا ہے۔ رنگِ لطیف کے جلوے میں ایک علٰحدہ کسک، سوز و گداز اور الگ خصوصیات ہیں۔

حضرت شاہ لطیفؒ کی شاعری میں جہاں تصوف و روحانیت، علم وعرفان کے اسرار و رموز بیان کیے گئے ہیں، وہاں عوام کی زندگی کے ہر پہلو پر حکیمانہ وصوفیانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ ان کے اکثر و بیشتر اشعار ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ استعارات، تلمیحات، تشبیہات کے باوجود طرز ادا دلکش اور انداز بیان نہایت موثر و دلپذیر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے کلام کو ان کی زندگی میں بھی بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور آج دو سو بائیس (۲۲۲) سال گزر جانے کے بعد بھی نغماتِ لطیف کا ایک ایک شعر قلب و روح کو مست و بیخود بنا دیتا ہے۔ ان کے فکر و فن کی افادیت و اہلیت اربابِ فکر و دانش اور اہلِ تحقیق و تنقید کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

شاہ صاحب نے اظہارِ خیال کے لیے سندھی زبان کا انتخاب کیا۔ ان کا یہ انتخاب اس قدیم و ہمہ گیر زبان کے لیے نیک فال ثابت ہوا۔ آج سندھی ادب میں جو نئے خیالات، صحت مند رجحانات اور جدید میلانات پائے جاتے ہیں وہ شاہ صاحب کی فکری کاوشوں کے رہینِ منت ہیں۔ نگارشاتِ لطیف کی بدولت نہ صرف سندھی زبان کی بے انتہا ترقی ہوئی بلکہ سندھی ادب میں وسعت و رفعت، گہرائی و گیرائی، ہمہ گیری و آفاقیت پیدا ہوئی، جس کی مثال شاہ صاحب سے پہلے نہ ملتی تھی اور نہ اب ملتی ہے۔

سندھی زبان کے جدید شعراء میں زندگی آمیز و حیات آموز اندازِ فکر کا جو رجحان ملتا ہے اس کا "افکارِ لطیف" کا پرتو ہوتا ہے۔ اس مکتبۂ فکر کی پرانی نسل کے شعراء میں سچل سرمست شاہ صاحب کے فکر و فن کے منفرد نمائندے ہیں۔

عمر ماروی، لیلاں چنیسر، سسی پنوں اور مومل رانو وغیرہ پاکستان کی وہ مشہور و لازوال لوک کہانیاں ہیں جن کے داستان گو اور تخلیق کار شاہ صاحب جیسے عظیم المرتبت شاعر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شاہ لطیف کو شعر و ادب میں وہ غیر معمولی و بے مثال قوتِ تخلیق

عطا کی تھی۔ جس کی بنا پر وہ کہیں رومی، کہیں حافظ اور کہیں سعدی نظر آتے ہیں، رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ، مرثیہ معرفتیہ غرض ہر رنگ میں یکتا و یگانہ تھے اور ہر صنف پر شعر کہنے کی بلا کی قدرت اور بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ دنیا کے عظیم شاعروں اور مفکروں میں شاہ لطیف کا شمار ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا لوک کہانیاں کہنے کو تو شاہ صاحب کی عشقیہ داستانیں ہیں لیکن ان کے تمثیلی کردار اور مرکزی خیال میں اسلامی درس کی روح، اسلام دوستی، حب الوطنی، انسان اور انسانیت سے محبت، زندگی کا حسن اور عشق کی بلندی پائی جاتی ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک متحرک زندگی ایک ناقابل تسخیر قوت ہے۔ یہ قوت پوری کائنات کے لیے باعث رحمت ہے۔ ریاضت و محنت اور جدوجہد کے بغیر خوش نصیبی و خوش حالی میسر نہیں آسکتی۔ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے والا "شاہین" علامہ اقبال کے ہاں حرکت و جرأت، شجاعت و بہادری، وسعت و بلندی، خودی و خودداری، جہد مسلسل اور سعی پیہم کی زندہ علامت ہے۔ لیکن شاہ صاحبؒ کے ہاں "کونج" نامی پرندے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ صوفیائے کرام نے ہمیشہ ایسے پرندوں کو اپنا پیامی اور قومی اتحاد کا پیامبر تصور کیا ہے جو سرسبز وادیوں، ندی کے کناروں، دشت و صحرا میں یکا و تنہا نہیں بلکہ جھنڈ کے جھنڈ پرواز کرنے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کے عادی ہیں۔ زمانہ قدیم سے کبوتر کو یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس نے دوست و دشمن کی سراغ رسانی اور عاشق و محبوب کے نامہ و پیام کے فرائض بڑے تاریخی و رومانی انداز میں انجام دیئے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب نے "کونج" کو اتحاد ملی، کردار قومی اور حب الوطنی کی علامت قرار دیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ "کونج" کی طرح انسانوں میں بھی بھائی چارگی، ربط و ضبط اتحاد و اتفاق اور اخوت و محبت کا جذبہ لازمی ہے۔

کونج کی منظم و متحد زندگی سے تنظیم، یقین، اتحاد، عزم اور ضابطۂ حیات کا جو سبق ملتا ہے، اس سے قومی کردار کی تعمیر و تشکیل میں مدد ملتی ہے۔

کونج سے متعلق شاہ صاحب کی ایک معرکۂ آرا نظم ہے۔ اردو کے کئی شاعروں نے

اس کا نظم و نثر میں ترجمہ کیا ہے۔ عاصم حسین کا منظوم ترجمہ سب سے عمدہ ہے۔ ترجمہ پہلی بار ۱۹۵۶ء میں "خیابانِ پاک" مرتبہ شان الحق حقی میں شائع ہوا۔ چ نذر قارئین ہیں ؎

اُجلی اُجلی کونجیں کل ہی کتنے جھرمٹ سے ان کے
اُڑ کر اُڑ کر اس دیس سے جانے کتنی منزل دُور گئے

اب کیا اس اتھلے پانی کی کھائی میں رہنے سے حاصل
اُڑ گئے جب سارے ساتھی، پنکھ ملے اور دل سے دل

اپنی سنگت کب وہ چھوڑیں کیوں چھوڑیں وہ اپنا ساتھ
ان کے من یوں ساتھ ملے ہیں جیسے باہم پات سے پات

دن بیتا اور رات آئی پھر بھیگی رات اور رات گئی
قسمت تیری ٹولی کو اس نیارے دیس میں لائی تھی

لیکن ان کے من میں بسی تھی بستی چٹانوں کی
اس کی ان کے من میں لگن تھی اس کی من میں ریت بھی

اس میں کسی کا دوش نہیں ہے رہ گئی تنہا پھر بھی کیا
اپنا دھنی ہے فکر میں اپنی ان دے گا تجھے ان دا

ننھی کونج ! اس جھرمٹ میں کل خوب اک بات کا چرچا تھا
دیپ ہے تیری پریت کا ہر ہر ساتھی کے من میں جلتا

شاہ صاحب کے ہاں قومیت کا تصور وطنیت تک محدود نہیں بلکہ حضور کر علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں پوری دنیا کے مسلمان ایک ملت ہیں، ایک قو دین اسلام ہمارا مرکز ہے اور اس مرکز سے وابستگی ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود و تطہیر کی ضمانت ہے۔

حضرت شاہ عبداللطیف کی تعلیمات اور پیغامات کو عام فہم اور آسان ز

یادہ سے زیادہ عوام تک پہنچانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی رُوح، اسلامی
ذیب وثقافت کی عکاسی شاہ صاحب کے کلام میں نہایت حسن کاری و دلکشی سے کی
ئی ہے۔ ان کا کلام سراسر قوتِ ملی اور محبتِ انسانی کا آئینہ دار ہے۔ ماحول ومعاشرے
کی تاریکیوں کو دور کرنے کی روشنی ہمیں شاہ صاحب کے کلام سے ملتی ہے ؎

سب جاتے ہیں سنگت میں، اس اہلی گہلی ٹولی میں
من میں جتنا پریم ہو بس اتنا ہی دُھن ہے جھولی میں
اتنا ہی رس ہے، اتنی مٹھاس اور اس کا کوئی انت نہیں
کُونجیں کُونجیں ساتھ رہیں بھٹکیں نہ سبھوں سے دُور کہیں
اپنی قوم سے ہٹ کر رہنا کُونجوں کا دستور نہیں
اس سے بڑا ان کی دُنیا میں کوئی اور قصور نہیں
ننھی کُونج! اے ننھی کونج! آواز کو اپنی خوب اُٹھا
جیسے بھی بن آئے اس پیغام کو اپنوں تک پہنچا

عظمتِ طب کا ترجمان

ماہنامہ رہنمائے صحت لائلپور

ایڈیٹر
حکیم عبدالرحیم اشرف

○ مسیح الملک اجمل خاں کے جانشین ○ تحریک خلافت کے بے لوث کارکن ○ شاعرِ مشرق علامہ
کے معالج خصوصی ○ تحریک پاکستان کے نڈر مجاہد ○ اطباء کی نمائندہ جماعت طبی کانفرنس کے روحِ رواں
اور مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کے جاں نثار ساتھی، حضرت شفاء الملک حکیم محمد قرشی رحمۃ اللہ علیہ
کی زندگی کے ہر ہر پہلو کے بارے میں ایک مکمل دستاویز شائع کر رہا ہے۔ مضمون نگار حضرات اپنی نگارشات
جلد از جلد ارسال فرمائیں۔

رابطہ کے لیے

زاهد اشرف ماہنامہ "رہنمائے صحت" ۳۴۹ جناح کالونی، پوسٹ بکس ۱۰۱، لائل پور